جناب ثروت صولت

موسیٰ جار اللہ (۱۸۷۵ء تا ۱۹۴۹ء)

موسیٰ جار اللہ روس کے ان مسلمان عالموں اور رہنماؤں میں سے ہیں، جن کے نام سے پوری اسلامی دنیا واقف ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ترکی، مصر اور ہندوستان میں کافی مدت رہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ترکی زبان کے علاوہ عربی میں بھی بہت کتابیں لکھیں جو ساری اسلامی دنیا میں ان کے تعارف کا باعث بنیں۔ ہمارے یہاں علامہ اقبال بھی ان سے واقف تھے اور روسی نژاد ترک دانش ور حلیم ثابت اور مفتی عالم جان بارودی کی طرح اقبال نے اپنی تحریروں میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۶ء میں لکھتے ہیں:

"موسیٰ جار اللہ کو آپ جانتے ہوں گے۔ انھوں نے حال ہی میں ایک کتاب عقائد شیعہ پر شائع کی ہے، اس میں بعض لطائف ہیں جو بہت جاذبِ توجہ ہیں۔"[1]

ایک دوسرے خط میں جو ۷ اگست ۱۹۳۶ء کا لکھا ہوا ہے اور سید سلیمان ندوی کے خط کے جواب میں ہے۔ وہ غالباً مذکورہ بالا کتاب کے بارے میں سید صاحب کے استفسار پر لکھتے ہیں:

"موسیٰ جار اللہ صاحب کی کتاب نہایت عمدہ ہے۔ ملنے کا پتا کتاب پر یہ لکھا ہے:
مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز، مصر"[2]

اس آخری خط کے حاشیے میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے کہ: "موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم و مفکر، یہ ہندوستان کئی بار آچکے ہیں۔ مجھ سے مکہ معظمہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ترکی میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں۔"

---

[1] اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال مرتبہ شیخ عطا اللہ، ناشر شیخ محمد اشرف، لاہور، ص ۱۹۸

[2] ایضاً ص ۲۰۰

روسی علما میں شہاب الدین مرجانی، قیوم ناصری، عالم جان بارودی اور مفتی رضاء الدین سب کے سب علاقہ کازان میں پیدا ہوئے تھے جسے اب تاتارستان کہا جاتا ہے۔ لیکن موسیٰ جاراللہ کا تعلق کازان سے نہیں تھا۔ وہ نوغائی ترکوں کے آلتی اوغول نامی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور جنوبی روس کے شہر روستوف میں جو دریائے ڈون (Don) کے دہانے پر اور بحیرۂ ازوف کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے ۲۶ جنوری ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ روستوف، قصبہ ازوف کے پاس واقع ہے جو چودھویں صدی عیسوی میں اسلامی روس کا ایک اہم تجارتی اور فوجی شہر تھا اور اسلامی تاریخ میں اس کا تذکرہ ازرق کے نام سے ملتا ہے۔ عثمانی ترکوں نے اس شہر کو ۱۴۷۵ء میں فتح کر لیا تھا۔ یہ شہر ۱۷۳۶ء تک ترکوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر روسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ عثمانی ترکوں کی بہت بڑی چھاونی تھا اور اس کو قلعۂ ازاق اور سدِ اسلام کہا جاتا تھا۔ سترھویں صدی میں جب مشہور ترک سیاح اولیا چلپی یہاں آیا تو قلعہ ازرق میں تیرہ ہزار فوج موجود تھی۔ اب ازوف ایک چھوٹی سی بستی ہے اور اس کی جگہ شہر روستوف نے لے لی ہے۔

موسیٰ جاراللہ کے والد کا نام عبدالکریم جاراللہ تھا اور وہ عالم دین ہونے کی وجہ سے اخوند کہلاتے تھے۔ والدہ کا نام فاطمہ بیگی (BIGI) خانم تھا۔ موسیٰ جاراللہ اور ان کے بڑے بھائی محمد ظاہر[۵] کا خاندانی نام بھی بیگی تھا۔ حلمی ضیا الکُبن کی تصریح کے مطابق بیگی ایک قصبہ تھا جس کی نسبت

---

۵ موسیٰ جاراللہ کے بڑے بھائی محمد ظاہر بیگی (۱۸۷۰ء تا ۱۹۰۲ء) نے بھی کازان میں تعلیم حاصل کی تھی اور پھر روستوف میں امام ہو گئے تھے۔ وہ ان روسی مسلمانوں میں سے ہیں جنھوں نے ترکی زبان میں اولین افسانے اور ناول لکھے۔ ناولوں میں خدیجہ اور گناہ کبائر بالترتیب ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۰ء میں کازان سے شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے ماوراءالنہر کا سیاحت نامہ بھی مرتب کیا تھا جسے ان کے بعد موسیٰ جاراللہ نے نئے اضافوں کے ساتھ ۱۹۰۸ء میں کازان سے شائع کیا۔ ظاہر بیگی کی دو ناولیں مرتد اور قاتلہ غیر مطبوعہ رہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کے مسودے بھی ضائع ہو گئے۔ ظاہر بیگی کی عمر ابھی ۳۲ سال تھی کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا۔ (تورک دیلی و ادبیاتی انسی کلوپیدیسی جلد اوّل، ص ۴۲۶، استنبول ۱۹۷۷ء)

سے یہ نام اختیار کیا گیا تھا۔[۵۴] ۱۸۸۱ء میں جب موسیٰ جار اللہ کے والد کا انتقال ہوا تو ان کی عمر صرف چھ سال تھی اور بڑے بھائی کی عمر دس گیارہ سال۔ چنانچہ دونوں بیٹوں کی پرورش اور تعلیم کا بوجھ ان کی والدہ کے کندھوں پر آپڑا۔ جب موسیٰ جار اللہ کی عمر تعلیم کے لائق ہو گئی تو والدہ نے ان کو شہر کازان کے ایک مشہور مدرسہ میں داخل کرا دیا جو مدرسہ گول بویو (GÖL BOYU) کہلاتا تھا۔ اس کو روس میں کُل بویہ (KULBUYI) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بھائی نے بھی اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن موسیٰ جار اللہ جلد ہی روستوف واپس آگئے اور ۱۸۹۵ء میں وہاں ایک سرکاری مدرسے میں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسے سے جس کا نام ریل (REAL) گورنمنٹ ہائی اسکول تھا، فارغ ہونے کے بعد وہ بخارا چلے گئے جہاں تین چار سال تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن روستوف واپس آگئے۔ یہاں سے وہ مزید تعلیم کے لیے استنبول چلے گئے، جہاں ان کا ارادہ مہندس خانہ نامی مشہور مدرسے میں داخلہ لینے کا تھا، لیکن ایک ہم وطن دانش ور موسیٰ آق یگیت زادہ کے مشورے پر اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصر چلے گئے، جہاں انھوں نے ممتاز علما سے درس لیا اور یہیں ان کی ملاقات مفتی محمد عبدہٗ سے ہوئی۔ مصر سے فارغ ہونے کے بعد وہ مکہ اور مدینہ گئے، وہاں سے ہندوستان گئے اور پھر ۱۹۰۴ء میں روستوف واپس آگئے۔[۵۵]

کئی ملکوں کا تعلیمی سفر کرنے اور وہاں کے علما کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے موسیٰ جار اللہ نے مختلف اسلامی علوم میں کمال حاصل کر لیا۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ موسیٰ جار اللہ ۱۹۰۸ء میں والدہ کے انتقال تک روستوف ہی میں رہے۔ اس کے بعد وہ لینن گراڈ چلے گئے جو اس زمانے میں سینٹ پیٹر برگ کہلاتا تھا۔ یہاں انھوں نے یونیورسٹی کے شعبۂ قانون میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۰ء میں وہ اورنبرگ کے مدرسۂ حسینیہ میں عربی زبان اور تاریخِ مذاہب کے استاد مقرر ہوئے۔ لیکن وہاں کے اساتذہ موسیٰ جار اللہ کے فلسفیانہ خیالات

---

[۵۴] حلمی ضیا (ÜLKEN) ترکی میں جدید افکار کی تاریخ، ص ۴۵۰ (مطبوعہ استنبول ۱۹۶۶ء)

[۵۵] تورک دیلی و ادبیاتی انسی کلوپیدیسی جلد اوّل، ص ۴۲۶ - ۴۲۷

کے مخالف ہو گئے اور ان کو اورنبرگ چھوڑنا پڑا۔

۱۹۰۵ء کے انقلاب کے بعد روس میں آزادیٔ اظہار پر سے پابندی اٹھالی گئی تھی، جس سے مسلمانوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور انھوں نے مختلف مقامات سے اخبار اور رسالے نکالنا شروع کر دیے۔ موسیٰ جاراللہ نے اسی زمانے میں مضمون نگاری شروع کی۔ ان کے ابتدائی مضامین "الفت" نامی اخبار میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد موسیٰ جاراللہ نے قاضی رشید ابراہیم کے ساتھ مل کر پیٹربرگ سے التلمیذ کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ پھر امانت کے نام سے انھوں نے ایک مطبع قائم کیا۔ اسی دوران انھوں نے شاکر رامی کی درخواست پر ان کے رسالے شوریٰ میں اپنے مخصوص خیالات کا اظہار ایک سلسلۂ مضامین میں کیا۔ موسیٰ جاراللہ کی کثرت نویسی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۷ء کے درمیان وہ اٹھارہ کتابیں لکھ کر شائع کر چکے تھے۔ یہ کتابیں عام طور پر دینی مباحث اور اسلام اور جدیدیت کی کش مکش کے موضوع پر تھیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں کازان سے شائع ہوئیں اور کچھ پیٹربرگ سے۔

۱۹۰۵ء کے انقلاب کے بعد موسیٰ جاراللہ نے روسی مسلمانوں کی سیاسی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۱۴ء میں ان کی ایک کتاب "اصلاحات اساسری" (اصلاحات کی بنیادیں) پیٹربرگ سے شائع ہوئی جو روسی مسلمانوں کی بیداری اور سیاسی جدوجہد کی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے۔ لیکن ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد موسیٰ جاراللہ نے سیاسی سرگرمیوں سے بڑی حد تک علاحدگی اختیار کر لی۔ ان کے ایک ہم وطن دانش ور عبداللہ بطال نے ان کی اس عزلت نشینی پر تعجب کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ شاید بالشویک حکومت کو پسند کرتے تھے اور یہ توقع کرتے تھے کہ کمیونسٹ رہنماؤں نے جو بڑے بڑے اور دل کش وعدے کیے تھے، ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خانہ جنگی کے دوران ہمیشہ اشتراکی علاقے میں رہے اور دوسرے ترک مسلمانوں کی طرح نہ تو آزادی کی جنگ میں حصہ لیا اور نہ بعد میں کئی سالوں تک روس سے ہجرت کی۔ ایک دو دفعہ سوویٹ حکومت کی اجازت سے باہر بھی گئے، لیکن پھر واپس آ گئے۔ وہ وطن میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔[۹]

۹؎ عبداللہ بطال: کازان تورکلری ص ۲۱۰ - ۲۱۱ (انقرہ ۱۹۶۶ء)

۱۹۲۰ء میں اوفا میں ہونے والی علما کانفرنس میں موسیٰ جاراللہ نے ۶۸ دفعات پر مشتمل ایک مسودہ پیش کیا جس میں روسی مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی آزادی اور خود مختاری پر زور دیا گیا تھا۔ عبد اللہ بطال لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی ۱۹۱۷ء میں روسی مسلمانوں کی دوسری کانگریس میں کازانی رہنما صدری مقصودی نے ملی مدنی خود مختاری کا ایک منصوبہ پیش کیا تھا جسے کمیونسٹوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ موسیٰ جاراللہ کا منصوبہ اس کے مقابلے میں زیادہ وسیع بنیادوں پر تھا۔
روسیوں نے جب انقلاب کے ابتدائی دور میں جب کہ ان کی حکومت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی، صدری مقصودی کا منصوبہ رد کر دیا تھا، تو اب ۱۹۲۰ء میں جب کہ کمیونسٹ حکومت مستحکم ہو چکی تھی، موسیٰ جاراللہ کے منصوبۂ آزادی کو کیسے تسلیم کر لیتی۔ یہی غنیمت ہے کہ اس موقع پر سوویٹ حکومت نے موسیٰ جاراللہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔[54]

موسیٰ جاراللہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ "روس میں رہنے والے تمام مسلمان ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، وہ ملتِ اسلامیہ کا ایک حصہ ہیں۔ صوبوں اور علاقوں کا فرق اور سوویٹ یونین کی ریاستوں میں تقسیم روسی مسلمانوں کو تقسیم نہیں کر سکتی۔"

سوویت حکومت نے اگرچہ ۱۹۲۰ء میں جب کہ علما کانفرنس میں انھوں نے اپنا منصوبہ پیش کیا تھا، موسیٰ جاراللہ کو گرفتار نہیں کیا، لیکن وہ سازگار موقع کے انتظار میں تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں جب کہ موسیٰ جاراللہ تاشقند میں تھے، ان کو گرفتار کر لیا اور وہ گیارہ ماہ تک قید خانے میں رہے۔

رہائی کے بعد موسیٰ جاراللہ تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۲۳ء میں انھوں نے جرمنی میں مشہور کاویانی پریس (برلن) سے ایک کتاب شائع کی، جس کا نام انھوں نے اسلامیت الف بسی یعنی اسلام کی الف بے رکھا۔ یہ کتاب کمیونسٹ رہنما بخارن (BUKHARIN) کی "کمیونزم کی الف بے" کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد موسیٰ جاراللہ کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور وہ ماسکو میں قید کر دیے گئے۔[55]

---

[54] عبد اللہ بطال: کازان تورکلری۔ ص ۲۱۰-۲۱۱ (انقرہ ۱۹۶۶ء)

[55] وہ کتاب جس کی وجہ سے موسیٰ جاراللہ گرفتار ہوئے، اس کا نام عبد اللہ بطال نے "اسلام ملتی لرینہ"

عبداللہ بطال لکھتے ہیں کہ موسیٰ جار اللہ کی گرفتاری "اسلام ملت لرینہ یعنی "مسلمان اقوام کے لیے" نامی کتاب کی اشاعت پر ہوئی۔ یہ کتاب بھی برلن سے ۱۹۲۳ء میں چھپی تھی اور موسیٰ جار اللہ نے اس کتاب میں وہ مسودہ بھی شامل کر دیا تھا جو انھوں نے مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی آزادی سے متعلق ۱۹۲۰ء کی علما کانفرنس میں پیش کیا تھا[۹] جس وقت یہ کتاب چھپی موسیٰ جار اللہ لینن گراڈ میں تھے۔

موسیٰ جار اللہ کی گرفتاری پر بیرونِ روس کے ترکوں نے سخت احتجاج کیا، خصوصاً فن لینڈ میں آباد کازانی ترکوں نے ان کی رہائی کا پُر زور مطالبہ کیا۔ ترکی کے اخبار وقت، جمہوریت، حاکمیتِ ملیہ اور ینی گون کو اور وزیر خارجہ عصمت انونو کو تار دیے گئے۔ چنانچہ ترکی کی حکومت نے مداخلت کی اور تین ماہ کی قید کے بعد موسیٰ جار اللہ رہا کر دیے گئے۔ اس زمانے میں موسیٰ جار اللہ "ترکی کی مجلس کبیر ملی کو مشورہ" نامی ایک کتاب چھپوانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس کو چھپوانے کی درخواست کے ساتھ اس کا ایک نسخہ ہیل سنکی (فن لینڈ) کے ترکوں کو بھیج دیا اور دوسرا نسخہ تاشقند میں موجود مجلس کبیر ملی کے ایک رکن صبحی سوئیسال (SOYSAL) کو دیا کہ وہ اسے اتاترک کو پیش کر دیں[۱۰]

۱۹۲۶ء میں جب مفتی رضاء الدین کی سربراہی میں روسی مسلمانوں کا وفد ابن سعود کی بنائی ہوئی مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لیے مکہ معظمہ گیا تو موسیٰ جار اللہ بھی اس میں شامل تھے۔ اس کے بعد بھی موسیٰ جار اللہ حکومت سے اجازت لے کر دو مرتبہ استنبول گئے اور اس دوران میں ایک مرتبہ حج کو بھی گئے، لیکن ہر بار وہ وطن واپس آگئے۔ اس تمام عرصے میں روسیوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئیں۔ مفتی رضاء الدین مذہبی نظامت کی طرف سے اسلام

(یعنی مسلمان اقوام کے لیے) لکھا ہے اور اس کے صفحات کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن تورک دیلی و ادبیاتی انسی کلوپیدیسی میں اس کا نام اسلامیت الف بے سی لکھا ہے۔ حلمی ضیا نے بھی عبداللہ بطال کی پیروی میں کتاب کا نام "اسلام ملت لرینہ" لکھا ہے۔

۹ے عبداللہ بطال : کازان تورکلری، ص ۲۱۱

۱۰ے ترک دیلی و ادبیاتی انسی کلوپیدیسی، مقالہ بیگی (موسیٰ جار اللہ)

مجموعہ" نامی جو رسالہ شائع کرتے تھے، وہ بھی بند کر دیا گیا۔ ترکی زبان کا رسم الخط عربی سے بدل کر لاطینی کر دیا گیا۔ علما ہزاروں کی تعداد میں سائبیریا اور دوسرے مقامات پر جلاوطن کر دیے گئے۔ مساجد کو بند کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مسلمانوں کی مذہبی نظامت کو روسی حکومت کا آلۂ کار بنا دیا گیا۔

ان اقدامات نے موسیٰ جار اللہ کا دل توڑ دیا اور کمیونسٹوں سے ان کو جو تھوڑی بہت امیدیں اب تک تھیں، وہ بھی ختم ہو گئیں۔ اب وہ کمیونسٹ روسیوں کے لیے بھی ایک ناپسندیدہ شخصیت بن گئے تھے اور وہ جان کو خطرے میں ڈالے بغیر روس میں نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بادلِ نخواستہ وطنِ عزیز کو خیرباد کہنے کا ارادہ کر لیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ خفیہ طور پر فرغانہ چلے گئے اور وہاں سے فرار ہو کر کاشغر پہنچ گئے۔ اس کے بعد کاشغر کے ان لوگوں کی مدد سے جن کے ساتھ مل کر موسیٰ جار اللہ نے پیٹر برگ میں چھاپہ خانہ قائم کیا تھا وہ افغانستان پہنچے، جہاں سے انھیں پاسپورٹ حاصل کیا اور ہندوستان ہوتے ہوئے ۱۹۳۱ء میں مصر پہنچے۔

موسیٰ جار اللہ نے موتمر اسلامی کی کانفرنس میں بھی شرکت کی جسے مفتیِ اعظم فلسطین نے دسمبر ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں طلب کیا تھا اور جس میں گول میز کانفرنس، لندن سے واپسی پر علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی۔ روزنامہ انقلاب لاہور میں شائع ہونے والی رپورٹوں کی مدد سے محمد حمزہ فاروقی نے سفرنامۂ اقبال کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے، اس کے مطابق موسیٰ جار اللہ ۶ دسمبر کو بیت المقدس پہنچے تھے جب کہ روس کے دو اور مہاجر مسلمان رہنما سعید شامل اور عیاض اسحاقی ۷ دسمبر کو پہنچے، یعنی اس دن جب مؤتمر کا باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ اقبال نے ۱۴ دسمبر کو الوداعی خطبہ دیا اور ۱۵ دسمبر کو وہ فلسطین سے مصر کے لیے روانہ ہو گئے۔ معلوم نہیں اقبال کی اس موقع پر موسیٰ جار اللہ سے ملاقات ہوئی یا نہیں۔ لیکن موسیٰ جار اللہ نے اس موقع پر عیاض اسحاقی اور سعید شامل کے ساتھ مل کر روس کی "بالشویک حکومت کی ظلم کی داستانیں سنائیں اور موتمر کے نمائندوں کو بتایا کہ مسلمان کس طرح اشتراکیت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، ان کی بستیوں کا صفایا کیا جا رہا ہے، اسلامی تہذیب و تمدن کے ہر نقش کو مٹایا جا رہا ہے، مسجدوں میں تالے ڈال دیے گئے ہیں اور مدرسوں کی بڑی تعداد بند ہو چکی ہے۔ روسی مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کو مختلف قوموں میں تقسیم کر کے انھیں کچلا جا رہا ہے"[۱۱]۔

---

[۱۱] محمد حمزہ فاروقی: سفرنامۂ اقبال ص ۱۷۰-۱۷۱ (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء)

موسیٰ جار اللہ موتمر کے اجلاس میں شرکت کے بعد فن لینڈ گئے۔ ۱۹۳۲ء میں انھوں نے انقرہ میں ہونے والی پہلی ترک تاریخی کانگرس کے اجلاس میں شرکت کی، اس کے بعد وہ ترکی سے مشرق وسطیٰ کی سیر کرتے ہوئے ۱۹۳۳ء میں پھر فن لینڈ گئے اور وہاں سے برلن گئے، جہاں انھوں نے چھاپہ خانہ قائم کرکے کتابیں شائع کیں۔ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان موسیٰ جار اللہ نے مصر، عراق، ایران اور ہندوستان کی سیر کی۔ ۱۹۳۸ء میں انھوں نے جاپان اور پھر چین کا سفر کیا اور جب دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو وہ ہندوستان میں تھے۔ موسیٰ جار اللہ چاہتے تھے کہ اس موقع پر افغانستان میں رہائش اختیار کرلیں۔ لیکن برطانوی حکومت شبہ میں مبتلا ہوگئی اور ان کو پشاور میں قید کر دیا۔ وہ ڈیڑھ سال قید رہے، پھر نواب بھوپال حمید اللہ خاں کی مدد سے قید سے رہائی ملی اور انھوں نے نواب صاحب کی سرپرستی میں کتابیں لکھنا شروع کیں۔ کچھ قید کی سختی اور کچھ ہندوستان کے گرم موسم کا اثر یہ ہوا کہ موسیٰ جار اللہ کی صحت جواب دے گئی۔ آنکھیں کمزور ہوگئیں اور بصارت میں کمی آگئی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں وہ ترکی چلے گئے، اگلے سال (۱۹۴۸ء) میں وہ مصر گئے اور وہیں ایک طویل بیماری کے بعد ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو قاہرہ میں انتقال کیا۔

موسیٰ جار اللہ ترکی کے علاوہ جو ان کی مادری زبان تھی، عربی، فارسی اور روسی کے بھی ماہر تھے لیکن کتابیں انھوں نے صرف ترکی اور عربی زبان میں لکھیں۔ وہ علوم قرآن کے ماہر تھے اور اجتہاد کے علم بردار تھے۔

تصانیف

موسیٰ جار اللہ کثیر التصانیف مصنفوں میں سے ہیں۔ تورک دیلی و ادبیاتی انسیکلوپیدیسی (ترکی زبان و ادب کی انسائیکلوپیڈیا) کے مطابق ان کی مطبوعہ کتابوں اور کتابچوں کی تعداد ایک سو بیس ہے۔ ان کی تصانیف کی مکمل فہرست ان ہی کی ایک کتاب "طویل دنوں میں روزہ" کے ۱۹۷۵ء کے ایڈیشن میں جو (UZUN GUNLERDE ORUC) کے نام سے انقرہ میں شائع ہوئی تھی، موجود ہے[۱۲]۔ ذیل میں مذکورہ بالا انسائیکلوپیڈیا اور اعلام کی مدد سے چند کتابوں کے نام سال

---

۱۲ ترک دیلی و ادبیاتی انسیکلوپیدیسی جلد اول صفحہ ۴۲۷

شاعت کی ترتیب کے ساتھ دیے جاتے ہیں :

۱۔ روسی مسلمانلرنی ۳ ندویسی (روسی مسلمانوں کی تیسری کانگریس) (کازان ۱۹۰۷ء)
۲۔ مسلمان آلفاقی (مسلم یونین) کا پروگرام اور شرح (پیٹرزبرگ ۱۹۰۹ء)
۳۔ رحمت الٰہیہ برہانلری (اورنبرگ ۱۹۱۱ء)
۴۔ طویل دنوں میں روزہ (کازان ۱۹۱۱ء)
۵۔ صہیونیت (۱۹۱۱ء)
۶۔ فاطمہ الزہرہ (کازان ۱۹۱۲ء)
۷۔ اصلاحات اساسلری (پیٹرزبرگ ۱۹۱۴ء)
۸۔ تاریخ القرآن والمصاحف (پیٹرزبرگ ۱۹۲۳ء)
۹۔ نظام التقویم فی الاسلام (قاہرہ ۱۹۳۵ء)
۱۰۔ حیات النبی (قاہرہ ۱۹۳۵ء)
۱۱۔ القانون مدنی فی الاسلام (بھوپال ۱۹۴۶ء)
۱۲۔ شرح بلوغ المرام (عربی)
۱۳۔ شرح عقیدہ اتراب العقائد
۱۴۔ الوشیعہ فی نقض عقائد الشیعہ [illegible]

غالباً یہ آخر الذکر کتاب وہی ہے جس کا تذکرہ علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام اپنے خط میں کیا تھا۔

حلمی ضیا نے عبداللہ بطال کے حوالے سے قرآن مجید کے ترکی ترجمے کا ذکر بھی کیا ہے۔ خود موسیٰ جار اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "میں نے قرآن مجید کا سادہ ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ اگر قبول کیا جائے تو میں ترکی کی مجلس کبیر ملی کو پیش کرنے کے لیے اس کو شائع کر دوں [illegible] غالباً یہ

[illegible] منیر الدین زرکلی : الاعلام جلد [illegible] صفحہ [illegible]

[illegible] عبداللہ بطال [illegible] [illegible] ترکی اشاعت میں [illegible] کیا جا رہا

ترجمہ شائع نہیں ہوا اور یہ بھی نہیں معلوم کہ مسودے کی شکل میں موجود ہے یا نہیں۔

ترکی میں قیام جمہوریت کے بعد قرآن کے ترکی ترجمے کی لہر بڑے زور شور سے اٹھی تھی۔ حکومت کی طرف سے شاعرِ اسلام محمد عاکف سے بھی ترجمہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا اور انھوں نے ترجمہ مکمل بھی کر لیا تھا، لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ حکومتِ ترکی ترجمے کو اصل قرآن کی حیثیت دینا چاہتی ہے اور نماز میں بھی اس کی تلاوت کرانے کا ارادہ رکھتی ہے تو انھوں نے یہ ترجمہ حکومت کے حوالے نہیں کیا اور کہا جاتا ہے کہ اب یہ ترجمہ ضائع ہوگیا ہے۔ غالباً موسیٰ جار اللہ نے اسی زمانے میں قرآن کا ترجمہ کیا ہوگا۔ ترک قرآن کے ترجمے کو جائز نہیں سمجھتے، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا ترجمہ ممکن نہیں، ہاں مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ترکی میں جو مستند ترجمے ملتے ہیں، ان کو مائی قرآن یعنی قرآن کا مفہوم یا دوسرے الفاظ میں تفہیم القرآن کہا جاتا ہے۔

افکار

"معارف" اعظم گڑھ مئی ۱۹۲۲ء میں "علمائے روس" کے عنوان سے جو مضمون لکھا گیا ہے اور جس کا ذکر راقم الحروف مفتی عالم جان بارودی کے حالات کے سلسلے میں "المعارف" کی ایک گزشتہ اشاعت میں کر چکا ہے، اس میں موسیٰ جار اللہ کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

"روسی علما میں سے جوان عمر لیکن پیر دانش موسیٰ جار اللہ ہیں۔ یہ راستوف میں پیدا ہوئے اور تعلیم قازان، بخارا، مصر اور حرمین میں جا کر حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں ان کی عمر ۳۵ سال[۱۵] تھی۔ اس ملک کے مسلمانوں میں مصلحانہ خیالات و تعلیمات کی اشاعت میں انھوں نے بڑی کوشش کی۔ ایک مصری مسلمان سیاح رشاد بک نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ روسی مسلمانوں میں ان کا وہی پایا ہے جو مصر میں مفتی محمد عبدہٗ کا ہے۔ یہ روسی مسلمانوں میں مصلح اعظم خیال کیے جاتے ہیں۔

ہے۔ وہ موسیٰ جار اللہ کے ہم وطن تھے اور انھوں نے علمی ضیا کے مطابق موسیٰ جار اللہ کی ایک سوانح عمری ۱۹۵۸ء میں استنبول سے شائع کی تھی۔ غالباً یہ سوانح بھی بعد میں ان کی دوسری کتاب "مشاہیر قازان" میں شامل کر لی گئی۔

۱۵ موسیٰ جار اللہ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے ۱۹۱۵ء میں ان کی عمر ۳۵ سال نہیں، چالیس سال تھی۔

ان کی گراں قدر تصنیفات ہیں۔

مذکورہ بالا مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء تک جب کہ موسیٰ جار اللہ کی عمر چالیس سال تھی، ان کا نام پوری اسلامی دنیا میں مشہور ہو چکا تھا۔ ذکی ولیدی طوغان[۱۶] نے موسیٰ جار اللہ کی وفات سے دو سال قبل استنبول کے اخبار "تصویر" کی ۲۳ ستمبر اور ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "موسیٰ جار اللہ، ان کا مسلک، شخصیت اور تصانیف" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں طوغان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ موسیٰ جار اللہ ایک مصلح سے زیادہ علوم قرآن کے ماہر تھے[۱۷]

عبداللہ بطال جنھوں نے موسیٰ جار اللہ پر مستقل کتاب لکھی ہے، وہ موسیٰ جار اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"وہ ایسے عالم تو نہیں تھے جو کسی خاص مکتب فکر کے بانی ہوں، لیکن وہ ایک مفکر ضرور تھے۔" حلمی ضیا اُلکین (ÜLKEN)[۱۸] نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عبداللہ بطال نے ان کے افکار کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے :

(۱) قرآن ایسی کتاب نہیں جو فرسودہ ہو جائے، جب تک دنیا قائم ہے تمام احکام اسی سے لیے جائیں گے۔

---

[۱۶] ذکی ولیدی طوغان (۱۸۹۰ء تا ۱۹۷۰ء) کا تعلق بھی کازان سے تھا۔ وہ نسلاً باشکرد تھے۔ جب وہ اپنے علاقے کو اشتراکیوں سے آزاد کرانے میں ناکام ہو گئے تو ہجرت کرکے ترکی آ گئے۔ وہاں وہ کئی سال تک استنبول یونیورسٹی کے اسلامی تحقیقات کے ادارے کے سربراہ رہے۔ ترکی تاریخ پر ان کی تصانیف بین الاقوامی معیار کی سمجھی جاتی ہیں۔

[۱۷] حلمی ضیا : ترکی میں جدید افکار کی تاریخ (ترکی زبان) صفحہ ۴۴۸۔ اس کتاب میں صفحہ ۴۴۷ سے ۴۵۲ تک موسیٰ جار اللہ کے حالات اور افکار پیش کیے گئے ہیں۔

[۱۸] حلمی ضیا (۱۹۰۱ء تا ۱۹۷۴ء) جن کا خاندانی نام اُلکین ہے، جدید ترکی کے ممتاز مفکر اور دانش ور تھے۔ تیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ترک تفکر کی تاریخ، ترک فلسفیوں کا گلدستہ، اسلامی فکر، ترکی میں جدید فکر کی تاریخ اور اسلامی فلسفہ کے اثرات اور اس کے ماخذ ان کی اہم تصانیف ہیں۔

(۲) دین اسلام کی بنیاد حریت اور آزادی پر ہے۔

(۳) تہذیبی لحاظ سے مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے آزادیِ فکر کے بنیادی اصول سے غفلت برتی اور اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔

(۴) اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے کی بنیادی ذمے داری ان ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو علمائے دین کہلاتے ہیں۔

(۵) موسیٰ جار اللہ کے پیش رو جمال الدین افغانی اور محمد عبدہٗ ہیں۔ لیکن انھوں نے جن مسائل کو موضوع بحث بنایا، ان میں سے ایک حصہ وہ ہے جس کو روسی مسلمان پہلے ہی حل کر چکے تھے[۵۱]

موسیٰ جار اللہ ممتاز پاکستانی عالم مولانا عبید اللہ سندھی (۱۸۷۲ء تا ۱۹۴۴ء) سے بھی متاثر تھے اور محمد سرور صاحب کی روایت کے مطابق انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کی املا کردہ تفسیر قرآن عربی زبان میں مرتب کی تھی۔ موسیٰ جار اللہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وہ عربی میں جو کچھ فرماتے تھے میں لکھ لیتا تھا۔ میں نے ایک سو پچاس دنوں میں ایک ہزار چار سو صفحات لکھے ہیں[۵۲]"

غالباً یہ کتاب مسودے کی شکل میں رہ گئی اور شائع نہیں ہوئی۔

بعض دینی مسائل پر موسیٰ جار اللہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کو حلمی ضیا کی کتاب "ترکی میں جدید فکر کی تاریخ" سے لے کر پیش کیا جاتا ہے۔

رحمتِ الٰہیہ کا مفہوم

موسیٰ جار اللہ اپنی کتاب "رحمت الٰہیہ برہانلری" (یعنی رحمت الٰہی کے دلائل) میں لکھتے ہیں کہ "اسلام پر تحقیق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام ادیان کی تاریخ سے واقفیت حاصل کی جائے، کیوں کہ کسی دین کی عظمت کا اندازہ دوسرے دینوں کی تحقیق کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے دین انسان کی جہالت سے وجود میں آئے ہیں اور اس معاملے میں انسان اور مذاہب

۵۱۔ حلمی ضیا۔ ترکی میں جدید فکر کی تاریخ۔ ص ۴۴۸ - ۴۴۹

۵۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب) جلد ۱۲ مقالہ "عبید اللہ سندھی" بحوالہ ماہنامہ الرحیم، حیدرآباد (سندھ) نومبر ۱۹۶۴ء۔

کی تاریخ ایک ہی سطح پر ہے۔ جس طرح ایک تہذیب وجود میں آتی ہے اور فطری طور پر اس کا نشوو نما ہوتا ہے، وہی حال مذاہب کا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس مسئلے پر مکمل آزادی کی فضا میں غور کرنا چاہیے۔ انسان کے مذاہب کا آغاز بھی نہایت سادہ طریقے پر ہوا اور پھر وہ ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا موجودہ شکل میں آیا ہے۔ ہمیں اس عقیدے کے تحت تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہیے اور کسی ملت کی اس کے عقائد یا طرزِ عبادت کی وجہ سے تکفیر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ تمام مذاہب کو اگر ایک ہی مذہب کی ترقی کے مختلف مدارج سمجھا جائے تو مذاہب کی وجہ سے کسی قوم کی تکفیر کرنے، مذہب کی وجہ سے کسی قوم سے عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمیں مذاہب کی تاریخ سے بحث کرتے وقت ایک دین کو حق اور دوسرے دینوں کو باطل کہنے یا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ میرے اس خیال سے علما کی بیشتر تعداد اتفاق نہیں کرتی، لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ یہ علما تمام انسانوں کو نجات کے دائرے میں داخل کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

اس کے بعد موسیٰ جار اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سب کے لیے عام ہے۔ وہ اس سلسلے میں قرآن کی آیات پیش کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اللہ جس کو چاہے نجات دے۔ مثلاً سورۂ انعام کی آیت ۱۲۸ میں کہا گیا ہے :

"اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں تم ہمیشہ رہوگے، اس سے بچیں گے صرف وہی جنھیں اللہ بچانا چاہے گا۔"

اور سورۂ ہود کی آیات ۱۰۶ اور ۱۰۷ جن میں کہا گیا ہے کہ :

"جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے، وہ ہانپیں گے اور پھنکارے ماریں گے اور اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک کہ زمین اور آسمان قائم ہیں، الّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ بے شک تیرا رب پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔"

ان آیات کا حوالہ دے کر موسیٰ جار اللہ لکھتے ہیں کہ جس طرح عذاب، اللہ کی مشیت کا پابند ہے، اسی طرح ابدیت بھی اللہ کی مشیت کی پابند ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کی عفو اور درگزر کی صفات (غفور اور رحیم) مطلق ہیں اور وہ سب کے لیے عام ہیں۔

حلمی ضیا لکھتے ہیں کہ "موسیٰ جاراللہ کی اس قسم کی توجیہات کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان تعصب اور عدم رواداری کے رجحان کو کم کرکے روسیوں اور مسلمانوں کے درمیان دینی کشیدگی کم کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنی دوسری کتاب "طویل دنوں میں روزہ" میں اسی مقصد کے تحت خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور اسلامی شرائط پر عمل درآمد کو آسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے کہ اگر جغرافیائی لحاظ سے کوئی ملک ایسا ہو جس میں چوبیس گھنٹے تک دن رہے تو وہاں روزہ رکھنے کے لیے دن اور رات کے لحاظ سے گھنٹوں کو برابر برابر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

یاجوج ماجوج

"یاجوج" نامی کتاب میں موسیٰ جاراللہ نے یاجوج ماجوج کے وجود سے بحث کی ہے جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس نام کی کوئی قوم یا کوئی ملک اس کرۂ ارض پر کبھی نہیں تھا۔ یاجوج ماجوج صرف یہودیوں کے دماغ میں پائے جاتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی میں مستقبل کے فتنوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہزاروں سال پہلے یاجوج ماجوج کی کوئی قوم موجود تھی۔ یہ صرف ان بڑے زمانوں کی طرف اشارہ ہے، جن سے مستقبل میں انسان گزرے گا۔ ہر دور میں اس دور کے بڑے لوگ اس دور کے لیے یاجوج ماجوج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی مثال دینے سے قرآن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر کوئی قوم مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس کی مدد کرنا تمام قوموں کا فرض ہے۔ ترک اور مسلمانوں کے لیے چنگیز اور ہلاکو بدترین قسم کے یاجوج ماجوج تھے۔ آج مہذب مسیحی دنیا اپنے ہتھیاروں اور دولت سے لیس ہو کر ساری دنیا پر مسلط ہو گئی ہے۔ یہ مسیحی دنیا ساری انسانیت کے لیے اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے خوفناک یاجوج ماجوج ہے۔

موسیٰ جاراللہ "عوام کی نظر میں چند مسائل" (HALK NAZARINA BIRKAG MESELE) نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بنی نوع انسان مستقبل میں موجودہ زمانے کی نسبت زیادہ بہتر حالات میں ہوگی، اگر ایسا نہ ہو تو ترقی اور مقاصد کے الفاظ بے معنی ہو جائیں گے اور دنیا میں علمی ترقی کا کوئی مقصد نہیں رہے گا۔ یہ خیال مشاہدہ کا نتیجہ ہے، خیالی دنیا کی پیداوار نہیں۔ مستقبل کے انسان کو یہ خوش بختی چاہے اسلام کے نام پر حاصل نہ ہو لیکن اس کی برکت

ے حاصل ہوگی۔ مغرب، سائنس اور صنعت اور خاص طور پر طبیعی علوم اور ریاضیاتی علوم پر نازاں ہے لیکن وہ معاشرتی میدان میں ہونے والی تبدیلیوں سے خوش نہیں۔ قرونِ وسطیٰ میں کش مکش کی نوعیت بنی تھی، اب یہ کش مکش معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں ہے۔ انسان اب جس فکری انتشار اور بحران کے دور سے گزرے گا، اس میں اسلام اس کو آزادیٔ فکر دے کر رہنمائی کرے گا۔

موسیٰ جار اللہ کے خیال میں دینِ اسلام فی الحقیقت فکر اور اجتہاد کی آزادی پر قائم ہے۔ اگر قرآن کے اصلی متن کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا۔ موسیٰ جار اللہ عالمِ اسلام کے زوال کے سباب کو اقتصادی تاریخ میں نہیں، اخلاق میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلیمان قانونی کے زمانے میں اگرچہ ہم اقتصادی اور سیاسی نقطۂ نظر سے بامِ عروج پر تھے، لیکن اس دور میں ابو سعود[۵۲] کی طرح کے علما ہمارے درمیان پیدا ہو رہے تھے، جنھوں نے فکری آزادی کی نشوونما کو روک دیا تھا۔ جب کہ اسی زمانے میں یورپ میں آزادیٔ فکر کی وجہ سے علمی اور فنی ترقی شروع ہو چکی تھی۔ آزادیٔ فکر کے اس عقیدے نے یورپ میں لوتھر (۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء) جیسے مصلح کو پیدا کیا۔

موسیٰ جار اللہ کے خیال میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب حسبِ ذیل تھے:

۱۔ مشرق توکل اور جد و جہد کے راستہ سے الگ ہو گیا تھا اور اس نے غربت اور افلاس کے راستے کو اپنا لیا تھا۔ یہاں توکل سے موسیٰ جار اللہ کی مراد کوشش کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا ہے جو اسلام کی اصل تعلیم ہے۔

۲۔ خود کو تقدیر کے حوالے کرنے کی وجہ سے اعلیٰ مقصد کے لیے جد و جہد کا راستہ بند ہو گیا تھا۔

۳۔ مسلمانوں میں آزادیٔ فکر کے راستے بند ہو گئے تھے۔

۴۔ خوب صورت کتابیں[۵۳] ناپید ہو گئی تھیں۔

---

۵۲ ابو سعود (۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء تا ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء) ترکی ممتاز عالم تھے اور تقریباً تیس سال تک شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ سلطنت عثمانیہ کے قوانین کو شریعت اسلامی کے مطابق بنانا ہے۔ ان کی تفسیرِ قرآن "ارشاد العقل السلیم" ایک محققانہ تفسیر مانی جاتی ہے۔ لیکن اس دور کے تمام علما کی طرح ان کی بیشتر تصانیف قدیم کتابوں کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں، ان میں اجتہادی شان نظر نہیں آتی۔

۵۳ علامہ ضیا نے لفظ اثرلر (ESERLER) استعمال کیا جس کے معنی ترکی میں کتابیں، فنی کارنامہ اور عمارتیں

۵۔ کردار کی بلندی ختم ہوگئی تھی اور خوشامد اور چاپلوسی کا دور دورہ ہوگیا تھا۔
۶۔ باہمی رقابت نے جو ترقی کا سبب ہوتی ہے حسد کی شکل اختیار کرلی تھی۔
۷۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ عورتوں کو اجتماعی حیات میں حصہ لینے کے حق سے محروم کردیا گیا تھا اور ان کو پردے کے پیچھے بند کردیا گیا تھا، حالانکہ اگر معاشرے میں عورت کا مرتبہ بلند نہ کیا جائے تو معاشرہ ترقی کے امکانات سے محروم ہوجاتا ہے۔

ترکی میں موسیٰ جار اللہ کے خیالات کی خاصی مخالفت کی گئی۔ رحمت الٰہیہ برہانلری، عقیدۃ الٰہیہ پر ایک نظر، طویل دنوں میں روزہ اور قواعدِ فقہیہ نامی کتابوں کے ترکی میں داخلے پر پابندی لگانے کے مطالبے گئے۔ شیخ الاسلام مصطفےٰ صبری (۱۸۶۹ء تا ۱۹۵۴ء) نے "ینی اسلام مجتہد لرِن قیمتِ علمیہ سی" (اسلام کے نئے مجتہدین کی علمی حیثیت) نامی کتاب میں موسیٰ جار اللہ کی کتاب رحمت الٰہیہ برہان لری کے دلائل کا دفعہ وار جواب دیا۔ لیکن ترکی کے ایک طبقے نے موسیٰ جار اللہ کے افکار کا خیر مقدم بھی کیا۔ حکمت اخبار کے مالک شہبندر زادہ[۲۳] نے ان کی ستائش کی۔ ایم۔ شمس الدین،[۲۴] دینی ہفت روزہ سبیل الرشاد میں لکھنے کے باوجود موسیٰ جار اللہ

ہوتے ہیں۔ لیکن سولھویں اور سترھویں صدی فنِ تعمیر اور فنونِ لطیفہ کی ترقی کے لحاظ سے شاید سب سے شاندار زمانہ ہے۔ اس لیے اثر لر سے مصنف کی مراد خوب صورت عمارتیں یا آرٹ کے کارنامے نہیں ہوسکتے۔ اس سے مراد صرف کتابیں ہی ہوسکتی ہیں، کیوں اس زمانے میں فکر انگیز کتابیں تقریباً ناپید ہوگئی تھیں اور نہ ہی علوم حکمت پر بلند پایہ کتابیں لکھی گئیں۔

۲۳ شہبندر زادہ احمد حلمی (۱۸۶۵ء تا ۱۹۱۴ء) ترکی کے ایک ممتاز صحافی اور مصنف تھے، انھوں نے اپنے زمانے کے مادہ پرستوں اور دہریوں کے خلاف جن میں بہا توفیق اور حلال نوری آگے آگے تھے، بھرپور قلمی جنگ کی۔ شہبندر زادہ انجمن اتحاد و ترقی کے مخالف تھے، اتحاد اسلام کے زبردست حامی اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وہ ان ترکوں میں ہیں جنھوں نے فری میسن اور صیہونیت پر پہلی مرتبہ تنقید کی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی فری میسن نے ان کو زہر دے دیا تھا۔

۲۴ شمس الدین (۱۸۱۳ء تا ۱۹۶۱ء) جو اپنے خاندانی نام گونالتائی ([illegible]) سے

اور مصری علما کے زیرِ اثر تھے۔

ہم مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موسیٰ جار اللہ اپنے خیالات کے لحاظ سے مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے زیادہ مشابہ تھے۔

زیادہ معروف ہیں۔ ترکی کے ممتاز مصنف اور سیاست دان تھے۔ ترک انجمن تاریخ کے صدر بھی تھے اور انھوں نے تاریخی موضوعات پر کئی کتابوں کے علاوہ ظلمت سے نور کی طرف، خرافات سے حقیقت کی طرف، اور ماضی سے مستقبل کی طرف نامی کتابوں میں مسلمانوں سے متعلق مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ وہ ترکی میں جدیدی اسلام پسند (ماڈرن اسلامی) سمجھے جاتے تھے لیکن ترکی میں قیامِ جمہوریت کے بعد انھوں نے ریپبلکن پیپلز پارٹی میں شرکت کرلی اور ۱۹۵۰ء میں چند ماہ کے لیے وزیرِ اعظم بھی ہو گئے۔ اس طرح وہ اسلام کے خلاف ان سارے اقدامات میں شریک رہے جو اس پارٹی نے ترکی میں اپنے ۲۷ سالہ دورِ حکومت میں کیے۔

مقالات

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان مضامین میں آپ کو کچھ ایسے نکات ملیں گے جو اس سے پہلے سامنے نہیں آئے۔ ضروری نہیں کہ مؤلف کے تمام افکار سے آپ کو اتفاق ہو، لیکن یہ بھی کوئی مستحسن بات نہیں کہ ہر فکرِ نو صرف اس لیے ناقابلِ اعتنا قرار دیا جائے کہ یہ بات پہلے نہیں سنی تھی۔ فکر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اور قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ فکری ارتقا جاری رہے۔ جس طرح دین کے خلاف کوئی فکر ہمارے لیے جائز نہیں، اسی طرح دین پر جمود کا قفل لگا دینا بھی درست نہیں۔ اس مجموعے میں آپ کو یہی خصوصیت نظر آئے گی۔ اصول میں استحکام اور فروع میں غور و فکر کی لچک۔

صفحات ۵۰۰ قیمت — ۲۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

فقہائے پاک و ہند۔ تیرھویں صدی ہجری

(جلد اوّل)

محمد اسحاق بھٹی

تیرھویں صدی ہجری کے فقہائے پاک و ہند کی یہ پہلی جلد ہے، اس میں برصغیر کے ۱۰۰ فقہا و علما کے حالات و سوانح معرض تسوید میں لائے گئے ہیں اور ان کی علمی و فقہی سرگرمیوں کے رُخ روشن کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ اس ملک کے سیاسی زوال کا دور وہ ہے جس میں دو آخری مغل بادشاہ باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی برائے نام۔ ابھی اسی دور میں یہ ملک انگریزوں کے پنجہ استبداد میں چلا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں آزادی کی تحریکیں نشو و نما پاتی ہیں۔ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) سے پہلے سید احمد شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید کی تحریک جہاد ارض ہند میں ابھرتی ہے۔ پھر ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد آزادی و حریت کی متعدد کوششیں ایک خاص اسلوب اور تسلسل کے ساتھ سامنے آتی ہیں، جن میں علمائے کرام ہراول دستے کے طور پر نظر آتے ہیں۔ مقدمۂ کتاب میں ان تمام مساعی کا مناسب انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

صفحات ۳۵۶ قیمت -/۳۵ روپے

اسلام ——— دینِ آسان

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

جو لوگ اسلام کے احکام کو بہت دشوار اور ناممکن العمل سمجھتے ہیں، انھیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کو ہماری تنگ نظری اور غلط فہمیوں نے دشوار بنا دیا ہے، ورنہ حضور اکرم کے فرمان کے مطابق دین آسان ہے۔ اس کتاب میں ایسے متعدد مسائل پر تفصیل سے عقلی روشنی ڈالی گئی ہے جو بہت اُلجھے ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔

صفحات ۳۶۸ قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاھور